رویتِ ہلال اور ریڈیو

جناب مولانا قاضی زین العابدین صاحب جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

رویتِ ہلال عید الفطر کے سلسلہ میں اس سال جو افراتفری رہی وہ بہت افسوسناک اور تکلیف دہ تھی۔ خصوصاً اس موقعہ پر دارالحکومت دہلی میں جو حالات پیش آئے وہ مسلمانوں کے لیے ایک چیلنج ہیں۔ بے شک ریڈیو اور ٹیلیفون سے متعلق مسائل جدید عہد کی پیداوار ہیں۔ لیکن اگر اسلام کی تعلیمات ابدی ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام میں قیامت تک پیش آنے والے حالات وضروریات کا حل موجود ہے، جیساکہ مسلمانوں کا ایمان ہے، تو اب ان مسائل کا بھی دو ٹوک فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ بیس پچیس سال کی مدت علماء کرام کے غور وفکر اور کسی متفقہ فیصلہ پر پہنچنے کے لیے، کچھ کم مدت نہیں، اس طرح ہر سال جس تشتت واختلافِ فکر وعمل کا مظاہرہ پارلیمنٹ ہاؤس سے لے کر گلی کوچوں تک ہوتا ہے، اس سے علماء اسلام ہی کی رسوائی نہیں ہوتی اسلام کی بھی فضیحت اور ذلت ہوتی ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ صورتِ حالات کی بڑی ذمہ داری ہمارے علماء کرام اور مفتیان عظام پر عائد ہوتی ہے جو ابھی تک ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبروں کے متعلق، ہر سال عام ہنگامے اور تماشے دیکھتے ہوئے بھی، کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے اور جو حضرات کسی فیصلہ پر پہنچ بھی چکے ہیں وہ اسے حالات پر منطبق کرنے اور بروقت حکم نافذ کرنے کی ذمہ داری قبول کرنے سے جھجکتے ہیں۔ مگر یہ امر بھی امرِ واقعہ ہے کہ یہ ذمہ داری تنہا علماء کرام ہی سے متعلق نہیں ہے۔

افسوس ہے کہ خاصے پڑھے لکھے مسلمان باوجود اخبارات وغیرہ میں بار بار اعلانات کے، رویتِ ہلال

کی گواہی دینے کے لیے بروقت مجلس علماء میں نہیں آتے اور آس پاس کے علاقوں میں منہ چھپائے بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ جب لوگوں کے کہنے سننے سے آتے ہیں اور ان سے تاخیر کی وجہ پوچھی جاتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ تھا کہ ہماری گواہی رد کر دی جائے گی۔ حالانکہ یہ بہت بڑی شرعی ذمہ داری ہے جس کی ادائگی کے لئے پردہ نشین عورت کو بھی پہنچنا چاہیے۔ دوسری کمی یہ ہے کہ مختلف شہروں کے اہل علم اور ذمہ دار حضرات کا آپس میں کوئی ربط نہیں ہوتا۔ ہر شخص اپنی جگہ اپنے حالات پر قانع رہتا ہے۔ ایک جگہ فیصلہ ہو جانے کے بعد، قریبی مقامات پر ٹیلیفون کے ذریعہ خبر دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی جاتی۔

اگر اطلاع بھی مل جائے، مثلاً معلوم ہوا ہے کہ دہلی میں امروہہ کی رویت کی اطلاع رات ہی کو ہو گئی تھی تو شہر کے ذمہ دار اتنا انتظام نہیں کر سکتے کہ ایک کار بھیجکر ان گواہوں کو، یا اپنے آدمیوں کے ذریعہ، مقام رویت کے علماء کرام کے فیصلہ کو، بطور "کتاب القاضی الے القاضی" طلب کر لیں۔ یہ کام تو علماء کرام کے علاوہ دوسرے ذمہ دار افراد اور جماعتیں بھی انجام دے سکتی ہیں۔ دہلی میں صوبہ دہلی کا وقف بورڈ قائم ہے۔ سنٹرل وقف بورڈ کا دفتر بھی وہاں موجود ہے۔ دوسرے ذمہ دار ادارے بھی، قومی و ملی کاموں کی انجام دہی کے لئے وہاں موجود ہیں، مگر تعجب ہے کہ اتنا انتظام وہ نہیں کر سکتے کہ خبر ملنے کے بعد شرعی شہادت مہیا کر کے علماء کرام کے سامنے پیش کر دیں۔ اگر علماء کرام کے سامنے ۲۹ اور ۳۰ کی درمیانی شب ہی کو، یا علی الصباح امروہہ اور مراد آباد کے شاہدوں کو یا وہاں کے فیصلہ کو پیش کر دیا جاتا تو میرا خیال ہے کہ علماء دہلی عید کے سلسلہ میں اپنا فیصلہ صادر کر دیتے۔

بہرحال رویت ہلال کے سلسلہ میں یہ تماشہ اب ختم ہونا چاہئے اور اس سلسلہ میں "حکم شرعی" اور "انتظامِ حصولِ شہادت" دونوں پہلوؤں سے مناسب تدابیر اختیار کر لینی چاہئیں۔ اس ضمن میں چند معروضات پیش ہیں۔

(۱) رویت ہلال کے ثبوت کے سلسلہ میں سب سے زیادہ سخت معیار اس صورت میں ہونا چاہیے جبکہ رویت کا تعلق عید الفطر سے ہو اور مطلع بھی صاف ہو۔ مگر اس صورت میں در مختار (جو فقہ حنفی

کی نہایت مستند کتاب ہے) کی تصریح یہ ہے درمختار کے علاوہ ہدایہ اور دوسری کتب فقہیہ کی تصریحات بھی یہی ہیں)

وقبل بلا علۃ جمع عظیم یقع العلم الشرعی وھو غلبۃ الظن بخبرھم۔ وھو مفوض الی رای الامام من غیر تقدیر بعدد علی المذھب۔ وعن الامام انہ یکتفی باثنین واختارہ فی البحر وصحح فی الاقضیۃ الاکتفاء بواحد ان جاء من خارج البلد او کان علی مکان مرتفع۔

(درمختار ج ا ص۹۱ مطبع نولکشور لکھنؤ)

اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں، ایسی بڑی جماعت کا بیان کافی سمجھا جائے گا جن کی خبر سے "علم شرعی" یعنی "غلبۂ ظن" حاصل ہوجائے۔ بڑی جماعت کی تعداد کا تعین امام کی رائے پر منحصر ہوگا۔ مفتی بہ مسلک کے مطابق کوئی خاص عدد مقرر نہیں۔ امام اعظمؒ سے ایک روایت ہے کہ دو آدمی کافی ہوسکتے ہیں۔ بحر میں اسی کو اختیار کیا ہے اور اقضیہ میں ایک شخص کی گواہی کو بھی کافی سمجھا گیا ہے۔ اگر وہ شہر کے باہر سے آئے یا کسی اونچی جگہ سے چاند دیکھا ہو۔

اس تصریح سے واضح ہوجاتا ہے کہ رویت کی مذکورہ بالا صورت میں "غلبۂ ظن" (دل کا مان لینا) فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ اگر مفتی کو اطمینان حاصل ہوجائے تو خواہ گواہ دو ہی ہوں، کافی ہیں۔ بلکہ اگر دیکھنے والے نے شہر سے باہر کھلے میدان میں چاند دیکھا ہے یا شہر میں ہی کسی اونچی جگہ سے چاند دیکھا ہے تو ایک ہی شخص کے بیان پر، بشرطیکہ مفتی کی اس سے تشفی ہوجائے، رویت ہلال کا حکم دیا جاسکتا ہے۔

توجب عیدالفطر کے ثبوت کے لئے، جبکہ مطلع بھی صاف ہو دو گواہوں کا بیان اور بعض صورتوں میں ایک قابل اطمینان شہادت کافی ہوسکتی ہے تو پھر یہ بات قابل غور ہے کہ مطلع کے غبارآلود ہونے کی صورت میں عید میں اس سے زیادہ کی تلاش کیوں کی جائے۔ اگرچہ فقہاء کرام کی تصریح اس کے خلاف ہے۔

(۲) ثبوتِ رویتِ ہلال کا ایک مسلمہ ذریعہ استفاضہ بھی ہے۔ "استفاضہ" کے معنی ہیں خبر کا

پھیل جانا یا شہرت عام حاصل کر لینا۔ فقہاء نے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق اس کی یہ صورت بیان کی ہے :

ومعنی الاستفاضہ ان تاتی من تلک البلدۃ جماعات متعدد دون کل منھم یخبر عن اھل تلک البلدۃ انھم صاموا عن رؤیۃ لا مجرد الشیوع من غیر علم عمن اشاعہ (رد المختار علی الدر المختار)	استفاضہ کا مطلب یہ ہے کہ جس شہر میں رویت ہوئی ہے وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور اس شہر والوں کے متعلق خبر دیں کہ انھوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے۔ محض خبر کا مشہور ہو جانا، جبکہ یہ معلوم نہ ہو کہ خبر کا مشہور کرنے والا کون ہے، کافی نہیں۔

جماعت کا اطلاق تین پر ہو سکتا ہے اور متعدد کا دو پر، اس لیے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر چھ آدمی کسی شہر سے آکر کہیں کہ وہاں چاند کی رویت مان لی گئی تو ان کے بیانات کو قبول کر کے دوسرے شہر میں بھی رویت تسلیم کر لی جائے گی۔ اور "رمضان" یا "عید" کا حکم دیدیا جائے گا۔

یہ تو فقہاء قدیم کی تصریح ہے۔ مگر اب سے تقریباً ستر سال قبل، ہندوستان کے شہرۂ آفاق حنفی عالم حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رح نے جماعتوں کے بیانات کے علاوہ متعدد مقامات سے رویت کے خطوط اور تار آجانے کو بھی ثبوت رویت کے لیے کافی سمجھا ہے۔ حضرت مولانا کے الفاظ یہ ہیں:

"باقی شہادت خطوط یا تار برقی۔ پس ہر چند فقہاء ایسے مقامات میں الخط یشبہ الخط لکھتے ہیں۔ لیکن ایسی صورت میں کہ ظن حاصل ہو جائے اور شبہ قوی باقی نہ رہے اور خبر تار یا خط بدرجہ کثرت پہنچ جائے اس پر عمل ہو سکتا ہے اور بحسب اقتضاء انتظام زمانہ حال اس پر حکم عام بھی دے سکتے ہیں"۔

(فتاویٰ مولانا عبدالحی رح ج ۱ صہ ۲۸۱)

دوسری جگہ مولانا موصوف ایک سوال کے جواب میں اس کی وضاحت فرماتے ہیں۔ سوال وجواب دونوں درج کیے جاتے ہیں:

استفتاء : کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر زید وعمر (بظاہر روزہ نماز کے پابند) چار سمتوں میں سے کسی طرف سے تار پر خبر دیویں کہ ہم لوگوں نے چاند دیکھا ہے تو اس

خبر پر عید الفطر یا عید اضحیٰ کرنا درست ہے۔ یا نہیں۔ اور اگر حیدر آباد سے خبر دیویں کہ ہم لوگوں نے چاند دیکھا ہے تو اس پر کیا حکم شرع ہے۔ کیونکہ وہ دار الاسلام ہے۔ سوم یہ کہ اگر نادانستگی میں کوئی اس خبر پر روزہ کھول ڈالے تو اس پر قضا لازم آئے گی یا کفارہ۔ اور اگر جان بوجھکر روزہ اس خبر پر کھول ڈالے تو اس کا کیا حکم ہے ؟

جواب : ہو المصوب۔ صرف ایک دو خبر پر روزہ کھولنا نہیں چاہیئے اور اگر افطار کرے گا تو قضا لازم ہو گی نہ کہ کفارہ۔ ہاں اگر چند خبریں پہنچیں کہ جس سے ایک صورت شہادت کی ہو تو جائز ہے۔ (فتاویٰ مذکور ج ۱ صـ ۲۷۹)

ان جوابات سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا لکھنوی چند خطوط بلکہ چند تاروں کو اگر قاضی یا مفتی کو ان پر اطمینان ہو جائے، رویت ہلال کے ثبوت کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

"چاند کی خبر تحریر خط سے دریافت ہو سکتی ہے جب مکتوب الیہ کو گمان غالب یہ ہے کہ فلاں کاتب عدل کا خط ہے اس میں کوئی انحراف نہیں ہوا تو اس پر عمل درست ہے۔"

(فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ صـ ۴۰)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک ہی خط کو، بشرطیکہ وہ قابل اطمینان ہو، ثبوت رویت کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

(۳) ان بزرگوں کے زمانہ میں ٹیلیفون کا عام رواج نہیں ہوا تھا اور ریڈیو تو بہت بعد کی چیز ہے۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ کم از کم تار کے مقابلہ میں ان کی حیثیت بہت زیادہ قوی ہے۔ جہاں تک ٹیلیفون کا تعلق ہے، جس طرح قرائن سے باوجود الخط یشبہ الخط کے خط بھیجنے والے کی شخصیت کو متعین کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ٹیلیفون پر بات کرنے والے کی آواز کو پہچان کر اور دوسرے ذرائع سے، ٹیلیفون کرنے والے کو مشخص کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اگر متعدد مقامات سے ٹیلیفون کے ذریعہ، فیصلہ رویت کی اطلاع ملے، یا ایک مقام سے ہی متعدد ٹیلیفون آجائیں، تو ان کی بنا پر بھی رویت ہلال کا

فیصلہ ہو جانا چاہیے۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی نے رویتِ ہلال کے موضوع پر، کئی سال ہوئے ایک جامع رسالہ مرتب کیا تھا۔ اس میں مولانا موصوف "فیصلہ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

جب کہ بقول مولانا محمد شفیع صاحب (مفتی اعظم کراچی) ٹیلیفون کی خبر ایک خط کا درجہ رکھتی ہے تو اگر تحریرات متواترہ متکاثرہ یا تحریرات کثیرہ و اخبار عدیدہ کی طرح، کثیرہ و متکاثرہ ٹیلیفون سے رویت ہلال کی خبر معلوم ہو جائے تو وہ بھی خبر مستفیض ہوگی۔ یعنی اس کی بنا پر رویتِ ہلال کا فیصلہ کر دیا جانا چاہیے) (رویت ہلال کے مسائل و دلائل ص ۶۶)

(۴) بہر حال کثرتِ خطوط و تار اور اطلاعات ٹیلیفون کی بنیاد پر رویت ہلال کے فیصلہ کے حق کو تو علمار کرام نے تسلیم فرما لیا اب ریڈیو کے اعلان کی بات رہ جاتی ہے۔

احقر کی رائے میں ریڈیو کے اعلانات کو بھی استفاضہ کے اصول کے تحت قبول کرنا چاہیے۔ ہر ریڈیو اسٹیشن اپنی ادارائی حیثیت میں ایک جماعت کے حکم میں شمار ہو۔ متعدد ریڈیو اسٹیشنوں کی خبروں کو اخبارِ جماعات متعددہ کی حیثیت دی جائے اور ان کی بناء پر "استفاضہ" کی حیثیت تسلیم کی جائے۔ بے شک پروگرام چلانے والے ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں مسلم بھی ہوتے ہیں اور غیر مسلم بھی۔ مگر استفاضہ کے ثبوت کے لئے فقہار کرام نے جماعات متعددہ کے ہر ہر فرد کے لئے اسلام کی شرط نہیں لگائی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے موقعہ پر، اسلم اور عریض دو کافر غلاموں کی خبر کا اعتبار فرمایا تھا۔ (سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۶۸) مگر بہترین صورت ریڈیو کی خبر کو قابل قبول بنانے کی یہ ہے کہ:

۱۔ ہر ضلع کے مرکزی مقام پر علمار اسلام کی ایک رویت ہلال کمیٹی ہو۔ علمار کرام کے علاوہ چند ذمہ دار اور صاحب بصیرت اصحاب بھی اس میں شریک کر لیے جائیں۔ رویت ہلال کا فیصلہ صرف علمار کرام کی رائے سے اس کمیٹی میں ہوا کرے۔ یہ کمیٹی ضلع کے مختلف قصبات سے اپنے روابط قائم رکھے، تاکہ وہاں سے رویت کی شہادت بھی فوراً حاصل ہو جائے اور کمیٹی کے فیصلوں پر عمل در آمد کرایا جاسکے۔

ب۔ صوبہ کے تمام مرکزی مقامات پر جہاں ریڈیو اسٹیشن قائم ہیں مرکزی رویت ہلال کمیٹیاں قائم ہوں ان کمیٹیوں کے ارکان علاقہ کے ممتاز ارباب علم اور اصحاب بصیرت ہوں۔ ان مرکزی کمیٹیوں کا ربط اضلاع کی کمیٹیوں سے ہو۔ کسی مرکزی کمیٹی میں جب حسب قواعد شرعیہ رویت ہلال کا فیصلہ ہوجائے تو صدر کمیٹی (جسے امیر شریعت یا قاضی القضاۃ کی حیثیت حاصل ہوگی) یا اس کا نمائندہ (جس کا عالم باعمل ہونا ضروری ہے) اس فیصلہ کا اعلان ذاتی طور پر ریڈیو اسٹیشن پر جاکر کرے۔ اس انتظام کا مکمل اعلان اخبارات کے ذریعہ پہلے سے کر دیا جائے بلکہ اگر ممکن ہو تو اعلان کنندگان کے اسمار گرامی کی بھی تشہیر کردی جائے۔ اس انتظام کے بعد، ان ریڈیو اعلانات کی حیثیت "اعلان امیر" یا "حکمِ قاضی" کی ہوگی صرف ان کی بنیاد پر مقامی کمیٹیوں کے ذمہ دار اپنے اپنے مقام پر رویت کا اعلان کردیں گے۔ ایسے اعلان پر مسلمانوں کے لیے روزہ اور افطار واجب ہوگا۔

میرا خیال ہے کہ اگر مناسب ذرائع اختیار کئے جائیں تو اس قسم کے اعلانات کے لیے، ذمہ داران حکومت اور ریڈیو کے اربابِ انتظام مرکزی کمیٹی کے ذمہ داروں کو اجازت دینے کے لئے تیار ہوجائیں گے۔

یہی وہ صورت ہے جسے جمعیۃ علمار ہند نے اب سے ۱۹ سال قبل اپنے اجلاس مراد آباد ۱۹۵۱ء میں منظور کر کے، حسب ذیل فتویٰ، ہندوستان کے مشاہیر علمار کرام کے دستخطوں سے، جن میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رح اور مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ دہلوی رح جیسے بزرگ بھی شامل ہیں جاری فرمایا تھا۔

جمعیۃ علمار ہند کا فتویٰ

مجلس نے بالاتفاق طے کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہوجائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جارہی ہے وہاں کے علمار نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کر دیا ہے خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتمد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات میں بھی چاند ہوجانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے۔ اور تمام ہندوستان کے

شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعات اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جائے۔ یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لیے ہے۔

(۵) مذکورہ بالا فتویٰ میں، ہندوستان اور پاکستان کو ایک ایسا ایریا تسلیم کیا گیا ہے جس میں ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ قابل قبول ہوگی۔

یہ مسئلہ بھی قدیم سے زیر بحث چلا آرہا ہے۔ "عدم اختلاف مطالع" کا جو عام حکم حضرت امام اعظمؒ کی طرف منسوب ہے وہ تو اس زمانہ میں قابل عمل نہیں۔ امریکہ اور ہندوستان کی رویت کس طرح ایک تسلیم کی جاتی ہے اور دونوں جگہ عید کس طرح ایک دن ہوسکتی ہے امام اعظمؒ سے جو روایت نقل کی جاتی ہے کہ یلزم اهل المشرق برویة اهل المغرب تو غالباً اس سے ان کی مراد ملک کے مشرقی و مغربی علاقے ہوں گے۔ بہرحال حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عباس نے، حضرت کریب اور ان کے ساتھیوں کی دمشق کی رویت کو مدینہ منورہ میں قابل قبول تسلیم نہیں کیا تھا (رواہ الخمسۃ الا البخاری) محققین حنفیہ کا یہی مذہب ہے کہ اختلاف مطالع کو تسلیم کرنا چاہیے۔ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح سے نقل فرمایا ہے۔

یختلف باختلاف المطالع و اختارہ صاحب التجرید وھو الاشبہ و اقل مایختلف بہ المطالع مسیرۃ شھر کما فی بحر الجواھر	اختلاف مطالع کی بنا پر رویت مختلف ہو جائے گی صاحب تجرید نے اسے اختیار کیا ہے اور یہی مناسب ہے۔ اور کم از کم فاصلہ جہاں کے مطلعے مختلف سمجھے جائیں گے ایک ماہ کی راہ ہے۔ جیسا کہ بحر الجواہر میں ہے۔

پھر اس ایک ماہ کی راہ کا تعین مولانا موصوف نے پانسو میل سے کیا ہے۔ غالباً اس کی بنیاد وہی حدیث کریب ہے لیکن مقدارِ مسافت کے سلسلہ میں دیگر اقوال کے علاوہ ایک قول یہ بھی ہے:

وقال ابن الماجشون لا یلزم اھل بلد رویۃ غیرھم الا ان	ابن الماجشون نے کہا ہے ایک شہر والوں پر دوسرے شہر والوں کی رویت واجب التسلیم نہیں ہوتی مگر

یثبت ذالک عند الامام الاعظم فیلزم الناس کلھم۔ لان البلاد فی حقہ کالبلد الواحد وحکمہ نافذ علی الجمیع

یہ کہ بادشاہ اس کو مان لے۔ اس صورت میں سب لوگوں کو اسے ماننا پڑے گا اس لیے کہ ملک کے تمام شہر اس کے حق میں ایک ہی شہر کی مانند ہیں اور اس کا حکم پورے ملک پر نافذ ہے۔

(التاج الجامع للاصول ج ۲ ص ۶۵)

اس قول میں ایک بادشاہ کی حدود سلطنت کو وحدت مطالع کی حدود قرار دیا گیا ہے۔ بہرحال اس قول کی بنا پر، ہندوستان، پاکستان، برما، نیپال اور افغانستان کو جو کسی نہ کسی زمانہ میں حکومت ہندوستان کا حصہ رہ چکے ہیں، ایسا علاقہ قرار دیا جاسکتا ہے جہاں کا مطلع ایک تسلیم کیا جائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہے کہ رویتِ ہلال (خواہ رمضان کی ہو یا عید کی) اس کے ثبوت کا مدار "شہادت شرعی" پر نہیں بلکہ "علم شرعی" پر ہے جس کا مطلب قاضی یا مفتی کا ظنِ غالب یا رجحان و اطمینانِ قلبی ہے۔ اور یہ صورت بعض حالات میں ایک گواہ کے بیان سے اور بعض صورتوں میں، خطوط، تار یا ٹیلیفون کی متعدد خبروں سے پیدا ہوسکتی ہے تو اب ریڈیو کی خبروں کے مسئلہ کو بھی اسی بنیاد پر طے ہو جانا چاہیے۔ عام لوگوں کو تو یہ حق حاصل نہیں ہوسکتا کہ وہ ریڈیو پر چاند کی خبریں سنتے ہی رمضان یا عید منانے لگیں مگر علمار کرام کو ان اعلانات کے بارہ میں شرائطِ قبول ورد کا فیصلہ فرمانا چاہئے۔ پھر ان کی روشنی میں رمضان المبارک اور عیدین کے موقعوں پر، رویتِ ہلال کے فیصلوں کا بصیرت وجرأت کے ساتھ اعلان فرماکر موجودہ افسوسناک اور مضحکہ خیز صورتِ حالات کو ختم فرمانا چاہئے۔ وما علینا الا البلاغ